© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

جماعت اسلامی کی "سیاسی سرگرمیاں" اس کے مخالفین کے لیے تو خیر تکلیف کا باعث ہیں ہی مگر بعض اوقات وہ حضرات بھی تشویش کا اظہار کرنے لگتے ہیں جن کا عام طرزِ عمل جماعت اور اس کے محترم امیر کے ساتھ بڑا ہمدردانہ ہے۔ ابھی پچھلے دنوں جب "جماعت" سیاسی سرگرمیوں میں ذرا زیادہ اُبھر گئی، تو بہت سے "بہی خواہوں" کی زبان اور قلم سے اس قسم کے جملے نکلے "جماعت اسلامی ایک دینی جماعت ہے سیاست میں دخیل ہو کر اس نے خواہ مخواہ اپنے آپ کو گندگی میں ملوث کر لیا ہے"۔ "مولانا مودودی کو اللہ تعالیٰ نے اچھی دینی بصیرت عطا کی ہے وہ قلم کے زور سے دین کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں، یہ دین سیاست میں پڑ کر بلاوجہ اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہیں"۔ اس قسم کے جملے الفاظ کے تھوڑے سے ردّ و بدل کے ساتھ بارہا سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔ خصوصاً جب سیاسی زندگی میں ہلچل پیدا ہوتی ہے اور جماعت کو اس میدان میں ذرا زیادہ سرگرمی دکھانی پڑتی ہے تو جماعت کے بعض خیر خواہ ان تاثرات کو زیادہ شدت کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور بسا اوقات خود رفقاء جماعت سے مل کر انہیں اس بات کا قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ جماعت اور اس کے امیر کو اس گندگی سے بچانے کے لیے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔

ان حضرات کے خلوص اور جذبۂ صادق کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں مگر ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ۲۰ سال سے جو جماعت تحریر، تقریر اور اپنے عملی کام کے ذریعہ سے مسلسل اپنے موقف کو واضح کر رہی ہے اس کے اصل مقصد اور اس کے کام کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے میں ان کو آخر اتنی زحمت کیوں پیش آ رہی ہے۔ ان حضرات کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ جماعت اسلامی صرف سیاسی کام ہی نہیں کر رہی ہے بلکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اس کے دائرہ کار کا صرف ایک حصہ ہے۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ مسندِ اقتدار کا حصول ہماری جدوجہد کا مقصود کبھی نہیں رہا ہے۔ اگر یہ ہمارا مقصود ہوتا تو ہمارے رنگ ڈھنگ کچھ اور ہوتے۔ ہم نے بارہا اس امر کا اعلان کیا ہے کہ اس ملک کا جو صاحبِ اختیار بھی خلوص نیت کے ساتھ یہاں واقعی اسلامی نظام کے قیام کے لیے کام کرے ہم اس کی رکاب تھام کر چلنے کو اپنے لیے باعثِ سعادت خیال کریں گے۔ پھر ہمیں کوئی دماغی مرض بھی لاحق نہیں ہے کہ ہم خود اپنے دشمن بن گئے ہوں اور طرح طرح کے مخالفین سے خواہ مخواہ گالیاں کھانے اور اقتدار کے ہاتھوں بلاوجہ ظلم و ستم سہنے میں ہمیں کوئی لذت محسوس ہوتی ہو۔ جب ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے تو پھر ہمارے کرم فرماؤں کو اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ آخر وہ کیا خاص ضرورت ہے جس کی خاطر قیام پاکستان کے بعد سے ہم مسلسل اس ملک کے سیاسی خارزار میں گام زن ہو کر اپنے لیے ہر طرح کی پریشانیاں مُول لے رہے ہیں؟ اگرچہ ہماری طرف سے اس کی وضاحت میں کبھی کوتاہی نہیں ہوئی ہے، لیکن ایک مرتبہ پھر ہم اس سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ اس سے ہماری دعوت کی نوعیت، ہماری تحریک کا مقصد، منہاج اور ہماری سیاسی، معاشرتی، مذہبی سرگرمیوں کی صحیح صورت ان شاء اللہ سامنے آ جائے گی اور جو لوگ ہمارے کام کو خلوص نیت کے ساتھ سمجھنے کے خواہشمند ہیں ان کی بہت سی الجھنیں دُور ہو جائیں گی۔

جس دعوت کو جماعت اسلامی بفضلِ ایزدی لے کر اٹھی ہے وہ صرف اسلام کی دعوت ہے اور جس نوعیت کے کام وہ کر رہی ہے وہ فی الحقیقت دینِ حق کے تقاضے ہیں۔ اِس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ اسلام زندگی کے بارے میں کیا تصور پیش کرتا ہے۔ جو لوگ مختلف مذاہب پر نظر رکھتے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ عام طور پر مذہب کا مقصد یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسانی روح کو لامحدود ذات سے ہمکنار ہونا نصیب ہو جائے اور اس طرح ایک قطرہ بحرِ بےکراں میں گم ہو کر اس کی غیر معمولی قوت اور وسعت سے لطف اندوز ہو سکے۔ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب روح جسم کی کثافتوں سے آزاد ہو جائے۔ اس نظریۂ زندگی کے مطابق روح جسم کی دشمن ہے، اور جسم روح کا دشمن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور دونوں ایک دوسرے کو زک پہنچانے کو ہی اپنی کامیابی خیال کرتے ہیں۔ کثیف جسم لطیف روح کی پرواز میں حائل ہوتا ہے اور اس بات کی برابر کوشش کرتا ہے کہ اس کی کثافتیں روح کو بھی کثیف بنا کر اس سے قوت پرواز سلب کر لیں۔ اسی طرح روح بھی برابر اس کوشش میں لگی رہتی ہے کہ جسم کے بندھن مضبوط ہونے کے بجائے تار تار رہیں اور روح جلد از جلد ان سے رہائی حاصل کرے۔ چنانچہ روح جسم کو قوت و توانائی بہم پہنچانے کے بجائے اسے کمزور اور مضمحل کرنے کی فکر کرتی ہے اور جسم اپنی کثافتوں سے روح کو بوجھل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

جسم اور روح کے درمیان اس حریفانہ تعلق نے زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کیا ہے۔ اس تصور کے تحت صحیح معنوں میں مذہبی اور روحانی آدمی وہ ہوتا ہے جو دنیوی علائق سے یکسر بے تعلق ہو کر اپنا زیادہ سے زیادہ وقت گیان دھیان، مراقبہ و مکاشفہ اور مجاہدہ و ریاضت میں صرف کرے اور دنیا اور اس کے معاملات سے کسی طور پر بھی تعرض نہ کرے۔ جس نسبت سے کوئی انسان دنیوی معاملات اور تعلقات سے دامن بچا کر نفس کشی میں مشغول رہے اسی تناسب سے اسے روحانیت کی دولت سے مالا مال سمجھا جاتا ہے اور جس قدر اس کے اندر امور دنیا سے دلچسپی ہو اسی نسبت سے اسے روحانیت کی نعمت سے محروم تصور کیا جاتا ہے۔

اس بنیاد پر زندگی کی ثنویت کا تصور قائم ہوا۔ روحانی زندگی کے شیدائیوں نے مادی زندگی سے یکسر منہ موڑ کر اپنی توجہ روحانی کیف و مستی کے حصول میں صرف کرنے کی کوشش کی۔ وہ جہاں بھی رہے اپنے ملک کے معاشرتی ڈھانچے، اس کی سیاسی ہیئت، اس کی معاشی تنظیم اور اس کے اجتماعی مسائل سے بے تعلق رہے، حتیٰ کہ خود اپنے جسم کے تقاضوں سے بھی انہیں نفرت ہی رہی۔ ان کے ذہن میں یہ بات پوری طرح راسخ ہو گئی کہ زندگی کے یہ سارے دائرے نجس اور ناپاک ہیں اور وہ ان سے جس قدر دور رہیں گے اسی قدر وہ روح کی پاکیزگی کے لیے زیادہ سامان فراہم کر سکیں گے۔ اس بنا پر مذہبی لوگوں نے اپنے دامن کو دنیوی معاملات سے ہمیشہ بچانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نگرانی میں دنیا کا سارا کاروبار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہب اور اس کی اعلیٰ اقدار یا روحانیت کے لطیف احساسات سے نہ صرف یکسر محروم تھے بلکہ انہیں خود اپنے بارے میں روحانی و اخلاقی احساس سے تہی دست ہونے کا پوری طرح اعتراف تھا۔ ان کے ضمیر پر یہ بات اچھی طرح نقش تھی کہ وہ شیطان ہیں اور دنیا کے معاملات چلانے کا جو کام وہ کر رہے ہیں وہ شیطانی کام ہے اور شیطانی طریقوں ہی سے چلایا جانا چاہیے۔ نظام عدل و انصاف سے توقع کیسے ہو سکتی ہے جب نیک اور خدا ترس لوگ دست بردار ہو جائیں تو چور اچکے اس مسند کو خالی پا کر مجرمانہ ذہنیت کے ساتھ اس پر براجمان ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں میزان عدل کا جیسا کچھ حشر ہو سکتا ہے وہی انسان کی اجتماعی زندگی کا ہوا ہے۔ مذہب کے اسی تصور کے تحت خدا کے نیک اور پاکباز بندوں نے جنگلوں اور ویرانوں کا رخ کیا اور وہاں مراقبہ کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اجتماعی زندگی کی عنان خود بخود ان لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دی جو نیکی اور شرافت سے بالکل عاری تھے۔

ان دو گروہوں کے درمیان ایک تیسرے ایسے گروہ نے بھی جنم لیا جو اپنی ذات میں ان دونوں کی خصوصیات جمع کرنا چاہتا تھا۔ اسے ایک طرف تو معرفت الٰہی کے شیریں عنصر سے محروم ہونا گوارا نہ تھا مگر دوسری طرف جسم کی لذتوں اور دنیا کی دلچسپیوں اور دنیوی معاملات چلانے کی ذمہ داریوں کو تیاگ دینے پر بھی وہ راضی نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن دنیا جن مذاہب سے آشنا تھی ان میں اس بیچ کے طرزِ عمل کے لیے کوئی رہنمائی موجود نہ تھی اور ان کے پیشواؤں نے اس کے لیے کوئی عملی نمونہ بھی نہ چھوڑا تھا۔ اس لیے اس تیسرے گروہ نے ایک ہی شخصیت کے اندر دو متضاد انسان پالنے شروع کیے۔ ایک وہ انسان جو روحانی کیف و مستی کا آرزومند ہو اور اس کے حصول کے لیے مذہب کے ساتھ تعلقِ خاطر پیدا کرے۔ اور دوسرا وہ انسان جو دنیوی امور کو خالص مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے دیکھے اور اس کے مطابق انہیں طے کرے اور زندگی کے دنیوی دائرے میں کسی اخلاقی یا روحانی احساس کو اثر انداز نہ ہونے دے۔ چنانچہ ان مذاہب کے پیروؤں میں اسی تضاد کی مظہر لاتعداد شخصیتیں ابھر کر سامنے آئیں اور انہوں نے مذہب کی اثر آفرینی کے دائرے کو یہاں تک محدود کر کے رکھ دیا کہ چند مذہبی رسوم کی بجا آوری کے سوا مذہب کا کوئی نشان دنیوی معاملات میں باقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ رہا۔ انسان کی اجتماعی زندگی مذہب اور اس کے اثرات سے یکسر بیگانہ ہو گئی۔ اگر کبھی مذہبی آدمی نے اجتماعی معاملات میں دخل دینے کی کوشش کی تو لوگوں کے مذہبی احساسات کو سخت دھچکا لگا اور انہوں نے یہ کہہ کر اس کی راہ روکنے کی کوشش کی کہ ایک پاکیزہ رُوح انسان خواہ مخواہ اپنے آپ کو شیطانی کاموں میں الجھا رہا ہے۔ پھر بھی اگر وہ باز نہ آیا تو اس کے بارے میں باور کر لیا گیا کہ یہ شخص مذہب کے مقدس نام پر دنیا کمانا چاہتا ہے اس لیے یہ سخت نفرت و حقارت کا مستحق ہے۔ ان مذہبی تصورات کے لحاظ سے شاید اس سے بڑھ کر ناقابلِ معافی گناہ کوئی نہیں رہا ہے کہ ایک دیندار آدمی عالمِ بالا سے لَو لگانے کے بجائے دنیا کے معاملات نمٹانے میں لگ جاتے

انسانی زندگی کے بارے میں یہ سارے نظریات مذہب کے اس اساسی تصور کے شاخسانے ہیں جس کے مطابق رُوح اور جسم کا تعلق طائر اور قفس کا سا ہے۔ اسلام اس تصور کو بنیادی طور پر غلط سمجھتا ہے اور یہ دعویٰ پیش کرتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تعلق کی بنیاد عداوت اور مخاصمت نہیں بلکہ تعاون اور حمایت کی ہے۔ روح اپنی بالیدگی کے لیے جسم کی محتاج ہے اور جسم اپنی طہارت کے لیے رُوح کی پاکیزگی کا رہینِ منت ہے۔ اس بنا پر صحیح قسم کا مذہبی احساس پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ رُوح اور جسم ایک دوسرے کو اپنا دشمن اور حریف سمجھنے کے بجائے ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار رہوں۔

فلسفۂ مذہب کے ایک نامور مصنّف نے اپنی عالمانہ تصنیف "عبادت" میں مذہب کے بارے میں ان دونوں تصورات کے مابین فرق کے اصل وجوہ بھی بیان کیے ہیں۔ اس کا تجزیہ یہ ہے کہ مذہب کے پہلے تصور کے مطابق، جو جسم اور رُوح کی باہمی دشمنی سے عبارت ہے، روحانیت کی معراج یہ ہے کہ روح سارے مادّی علائق سے اپنے آپ کو منقطع کر کے خالق اور مالک سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اس کے برعکس دین کا دوسرا تصور جس کی رُو سے رُوح اور جسم ایک دوسرے کے معاون ہیں، بندگیِ رب کے نظریہ پر قائم ہے۔ اس نقطۂ نظر سے مذہب کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے خالق اور مالک کا انتہائی فرمانبردار بندہ بن کر رہے اور اُن ساری ذمہ داریوں سے اس کے حکم کے مطابق عہدہ برآ ہو سکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوشش کرے جو خالق کی طرف سے اس پر بحیثیت بندے کے عائد ہوتی ہیں۔ اس نظریہ کے مطابق روحانی ترقی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسانی روح خالق میں کھو جائے کیونکہ اگر بندے اور رب کے درمیان امتیاز باقی نہ رہے تو پھر بندہ بندگیٔ رب کے تقاضوں کو کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ وہ مالک الملک کا اسی صورت میں بندہ بن کر رہ سکتا ہے جب اس کے اندر اس امر کا پوری طرح احساس باقی رہے کہ وہ خالق و مالک کا محض ایک بندہ ہے۔ مذہب کے اس تصور کے مطابق معرفتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ اپنی ذات کا شعور بھی انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اس عرفان کے بغیر خدا اور بندے کے درمیان جو عظیم الشان فرق ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔

مذہب کے متعلق ان دونوں نظریات کے درمیان جو اساسی فرق ہے اگر اسے سمجھ لیا جائے تو پھر اسلام کی دعوت اور اس دعوت کی روشنی میں جماعت اسلامی کے موقف اور طریقِ کار اور ملک کی سیاست سے اس کی دلچسپی کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں رہتا۔ جب ایک انسان مذہب کے اس تصور کو قبول کر کے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے کہ اس کا اپنے خدا کے ساتھ تعلق دراصل اطاعت اور بندگی کا تعلق ہے تو پھر اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف اپنی روح کو خداوند تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ نہ کرے بلکہ اپنے جسم کو بھی خالق و مالک کی فرمانبرداری کی تربیت دے۔ کیونکہ انسان روح اور جسم دونوں کے ارتباط کا نام ہے۔ اگر انسانی روح خدا کی اطاعت کی طرف مائل ہو مگر جسم اس کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہو تو بندگیٔ رب کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اس لیے کہ روح جسم کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی اور جسم روح سے الگ ہو کر کسی کام کا نہیں رہتا۔ اسلام روح کو قفسِ عنصری کا قیدی سمجھ کر اسے آزاد کرانے کی دعوت نہیں دیتا بلکہ جسم کا معاون سمجھ کر اسے بھی پاکیزہ بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اکیلی روح یا تنہا جسم دونوں میں سے ایک بھی ایک دوسرے سے بے تعلق ہو کر یا ایک دوسرے کے حریف اور دشمن بن کر بندگیٔ رب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر اسلام کا مقصد صرف روحانی کیف و مستی کا حصول ہوتا تو وہ یقیناً روح کو جسم کی کثافتوں سے محفوظ رکھنے پر زور دیتا اور اسے اس بات پر آمادہ کرتا کہ وہ اس قفس کی تیلیوں کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ سے زیادہ کمزور کرنے کی کوشش کرے لیکن جو دین انسانی زندگی کا مقصد بندگیٔ رب قرار دیتا ہے وہ رُوح اور جسم دونوں کو خدا شناس بنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں دیکھیے کہ ایمان اور عمل صالح کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا خوفی کا جو احساس روح کے اندر پیدا ہوتا ہے اس کا اظہار انسانی عمل سے بھی ہو۔ اسی طرح نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ نماز روح کی طہارت کا التزام ہے اور زکوٰۃ مادّی دولت کی پاکیزگی کا سامان ہے۔

اسلام نے رُوح کے تزکیہ اور جسم کی طہارت دونوں کو بندگیٔ رب کے لیے جس طرح ضروری سمجھا ہے اس کا اندازہ کتب حدیث کی اس ترتیب سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے جیسے ان کی تدوین میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حدیث کا قریب قریب ہر مجموعہ کتاب الایمان سے شروع ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی کے لیے سب سے پہلی شرط روح کی پاکیزگی اور طہارت ہے۔ اس حصے میں خدا، آخرت، حشر و نشر، نبوت، ملائکہ سب کے بارے میں غلط تصورات کی تردید اور صحیح عقائد کی صراحت ملتی ہے تاکہ ایک بندۂ مومن سب سے پہلے اپنی رُوح کی کثافتوں کو دُور کر کے اسے اللہ کی بندگی جیسے مقدس فرض کے لیے آمادہ کرے۔ کتاب الایمان کے بعد فوراً کتاب الطہارت شروع ہوتی ہے جس کا مرکز و محور جسم کی پاکیزگی ہے۔ اس کے بعد کتاب الصلوٰۃ ہے جو پھر روح کی بالیدگی کے لیے سب سے پہلی عملی تربیت ہے۔ اور پھر کتاب الزکوٰۃ جو مال و دولت اور مادّی وسائل یا دوسرے لفظوں میں امُورِ دنیا یا مادّی زندگی کے بارے میں روحانی احساس اور اخلاقی ذمہ داری پیدا کرنے کا لائحہ عمل ہے۔ قرآن مجید اور حدیث کی ان تصریحات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک اصل روحانیت مادّی زندگی کے علائق کو توڑنا نہیں بلکہ خود مادّی علائق میں روحانی لطافت پیدا کرنا ہے تاکہ رُوح اور جسم دونوں ایک دوسرے کے معاون اور مددگار بن کر بندگیٔ رب کے تقاضوں کو پورا کریں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ انسانی روح تو معرفتِ الٰہی کے اُونچے سے اُونچے مقامات تک پرواز کر کے تقرب باری تعالیٰ حاصل کرے اور جسم یا تو مادّہ پرستی کی آلائشوں میں ملوّث رہے۔ یا پھر معرفت کا کوئی اثر جسم پر مترتب نہ ہو۔ اسلام روح اور جسم دونوں کا یک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ تزکیہ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور دونوں کو بارگاہِ الٰہی میں فائز المرام دیکھنا چاہتا ہے۔ دنیا کے سارے مذاہب میں اسلام کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ اس نے زندگی کے اُس حصّے کو جسے معرفتِ الٰہی کے شیدائی بالکل تاریک حصہ خیال کرکے اس کے نام سے بھی وحشت محسوس کرتے تھے، اس کے اندر عرفانِ ربّانی کی قندیلیں روشن کرکے اسے روح کی طرح منوّر کردیا۔ یہ امتیاز اسلام اور صرف اسلام کو حاصل ہے۔

رُوح اور جسم کی یکساں پاکیزگی کے اسی تصور پر اسلام نے انفرادی زندگی اور اجتماعی زندگی کو پاکیزہ بنانے کی دعوت دی ہے۔ اگر فرد کو بمنزلۂ روح اور معاشرے کو جسم سمجھ لیا جائے تو اسلام کا پورا نظامِ حیات سمجھ میں آسکتا ہے۔ اسلام بنیادی طور پر تو ایک فرد کی اصلاح چاہتا ہے کیونکہ فرد ہی وہ اکائی ہے جس سے معاشرہ تعمیر ہوتا ہے۔ جب تک فرد، جو کسی معاشرے کے لیے روح کی حیثیت رکھتا ہے روحانی اور اخلاقی احساسات سے بہرہ مند نہیں ہوتا اس وقت تک کسی پاکیزہ اجتماعی زندگی کی بنیاد نہیں ڈالی جاسکتی۔ یہاں تک تو اسلام اور دوسرے مذاہب کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے کے ساتھ چلتے ہیں لیکن اختلاف اور شدید اختلاف یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس طرح روح کی پاکیزگی کے لیے جسم کی پاکیزگی ضروری ہے، کیونکہ اگر جسم ٹھیک طریق سے پاکیزہ نہ ہو تو روح کی لطافت مجروح ہوتی ہے، بالکل اسی طرح اسلام فرد کے روحانی نشوونما کے لیے یہ ناگزیر سمجھتا ہے کہ جس اجتماعی ماحول میں وہ زندگی بسر کر رہا ہے اسے بھی گندگیوں سے پاک اور روحانی اور اخلاقی احساسات سے معمور کردیا جائے تاکہ فرد کے ہر سانس کے ساتھ اس کے اندر نیکی اور شرافت سے لبریز ہوا داخل ہو جو اس کی روحانیت کے لیے تقویت کی باعث بنے۔ جس طرح رُوح جسم کی کثافتوں سے بوجھل ہوتی، اور جسم کی پاکیزگی سے لطافت اخذ کرتی ہے بالکل اسی طرح ہر فرد اجتماعی ماحول سے اثرات قبول کرتا ہے۔ ماحول کی گندگیاں اُس کے افکار و نظریات اور اس کے اخلاق و عادات پر برابر اثرانداز ہوتی ہیں اور وہ خواہش اور آرزو کے باوجود ان سے اپنے آپ کو بچا کر نہیں رکھ سکتا۔ اگر کوئی اجتماعی ماحول نیکی، خداترسی فکر و نظر کی پاکیزگی سے معطر ہے تو جو فرد بھی اس میں زندگی بسر کر رہا ہو وہ لازمی طور پر اس روح افزا اور فرحت بخش فضا سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اچھے اثرات قبول کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی فرد کے ارد گرد کا ماحول، فحاشی، بے حیائی، لوٹ کھسوٹ، ظلم و ستم اور فسق و فجور سے بھرا ہوا ہو تو کوئی فرد تمنا اور آرزو کے باوجود اپنے دامن کو اس سے بچا کر نہیں رکھ سکتا۔ اگر وہ خود برائی کے ان کاموں سے مجتنب بھی رہے تو اس کا تعفن بہر طور اس کے دل و دماغ کو متاثر کرتا ہے۔ گلاب کے پھول گندگی کے ڈھیروں میں نہیں جیکتے کیونکہ وہ فضا انھیں راس نہیں آتی۔ وہ اپنی بہار لطیف اور پاکیزہ فضا ہی میں دکھلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام فرد کی روحانی اور اخلاقی ترقی کے لیے پاکیزہ اور سازگار ماحول پیدا کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے۔ اسلام کا یہ اصول انسانی فطرت کا ایک بنیادی تقاضا ہے۔ جس طرح کوئی صاف ستھرا ذوق رکھنے والا انسان کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ اس کے سامنے غلاظت کے ڈھیر پڑے رہیں اور ان سے اس کی طبیعت کے اندر کوئی کراہت نہ پیدا ہو، بالکل اسی طرح اسلامی روحانیت کا لذت آشنا ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ وہ جس اجتماعی ماحول میں زندہ ہے اس میں برائی اور ظلم و ستم کا دور دورہ ہو اور اس کی روحانیت کو اس تشویشناک صورتِ حال سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق روح کو کوئی ایسا ہوا بند گوشہ میسر نہیں آسکتا جو ماحول کے اثرات سے یکسر مامون ہو۔ اس بنا پر روحانیت کی پاکیزگی کے لیے ضروری ہے کہ ماحول کو پاکیزہ بنانے کی فکر کی جائے۔

یہ سادہ سی حقیقت ہے جو اسلام پیش کرتا ہے اور یہی سیدھی سی بات ہے جسے جماعت اسلامی نے اپنی دعوت کی بنیاد بنایا ہے۔ یہ دعوت ہمارے اپنے ذہن کی اختراع نہیں۔ یہ کوئی بدعت نہیں جو جماعت اسلامی کے لوگوں نے خود اپنے دماغ سے گھڑ لی ہو۔ بلکہ یہ کائنات کی وہ سب سے بڑی حقیقت ہے جسے تمام انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے اور جسے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف انداز میں بیان فرمایا گیا ہے:

وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوْا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ (سورۂ توبہ: ۳۱)

وہ اس کے سوا کسی بات پر مامور نہیں کیے گئے کہ صرف ایک معبود کی بندگی کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ پاک ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بندگی صرف نماز ادا کرنے اور روزے رکھنے کا نام نہیں بلکہ پوری زندگی کو اطاعتِ خداوندی میں گزارنے کا نام ہے ۔ بندگی خدا کے بارے میں ایک خاص طرزِ فکر اور ایک مخصوص طرزِ عمل کی طالب ہے ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان جس خالق و مالک کو اپنا معبود اور الٰہ تسلیم کر رہا ہے اس کی ذات ، اس کی صفات اور اس کی بادشاہی اور حاکمیت میں کسی دوسرے کو فکر و عمل کے اعتبار سے شریک نہ ٹھیرائے ۔

ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ بندگیِ رب کے تقاضے پورے کرنے کے لیے صرف یہی بات ہی کافی نہیں کہ انسان خدا کا مطیع و فرمانبردار ہونے کا دعویٰ کرے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بلکہ یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ ہر اس عقیدے اور ہر اس تصور اور عمل سے اجتناب کرے جو خدا کی اطاعت اور بندگی کی ضد ہو ۔ چنانچہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے :

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج ۔ (سورۂ نحل : ۳۶)

اور ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر بھیجا (اس دعوت اور پیغام کے ساتھ) کہ اللہ کی بندگی کرو ، اور ہر جھوٹے خدا کی عبادت اور بندگی ، سے بچو ۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم سارے باطل خداؤں سے یکسر منہ موڑ کر اپنے آپ کو خدائے واحد کی غلامی میں دے دو اور زندگی کے کسی گوشے میں بھی کسی معبودِ باطل کی بندگی اختیار نہ کرو ۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں قرآنِ مجید نے نہایت واضح طور پر بندگیِ رب کا مفہوم متعین کر دیا ہے :

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ص وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ط اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ (سورۂ البقرہ : ۲۰۸)

اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔

پوری زندگی کو اسلام کے دائرے میں لے آنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ عقائد، عبادات ، اخلاق ، معاشرت، ثقافت ، سیاست ، معیشت ، عدالت ، قانون ، غرض حیاتِ انسانی کے سارے گوشوں کو اسلام کے حدود کا پابند بنا دیا جائے ۔ اسی سے بندگیِ رب کے تقاضے پورے ہوتے ہیں کیونکہ اگر زندگی کا کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوشہ نبی اللہ کی اطاعت سے باہر اور غیر اللہ کا تابع رہ جاتے تو اس سے زندگی کے اندر وہ توحید قائم نہیں ہوتی جسے اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔

جماعت اسلامی کی دعوت درحقیقت اُدْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّة کی دعوت ہے اور اس کا لائحہ عمل اعبدوا اللہ کی وہی عملی تفسیر ہے جو انبیاء علیہم السلام اور صلحاءِ امت نے پیش کی ہے۔ اس کی دعوت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کی دعوت، آخرت کی جوابدہی کا خوف، حشر و نشر، الغرض دینی معتقدات پر پختہ اور غیر متزلزل یقین شامل ہے۔ اس کے پروگرام میں باطل افکار و نظریات کی تردید، صحیح عقائد کی تلقین، نیک اور صالح اعمال کی ترغیب اور غیر اسلامی رجحانات اور افعال و اعمال کی اصلاح داخل ہے۔ اس نے اپنی دعوت اور اپنے طریق کار کے تعارف کے لیے جو لٹریچر پیدا کیا ہے اسے ایک نظر دیکھنے سے اس کے پیغام اور کام کی ہمہ گیری اور وسعت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس لٹریچر میں باطل عقائد و نظریات اور لادینی رجحانات کی تردید بھی ملتی ہے۔ مغربی تہذیب کے اثر و نفوذ نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں جو نئے نئے مسائل اور پیچیدگیاں پیدا کی ہیں ان کا صحیح تجزیہ اور پھر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کا حل بھی ملتا ہے اور مسلمانوں کو از سر نو اسلام کی بنیاد پر اپنی زندگی استوار کرنے کے لیے عملی رہنمائی بھی حاصل ہوتی ہے۔ عقائد، عبادات، معیشت، معاشرت، سیاست، الغرض زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام جمع نہ کر دیئے گئے ہوں۔ انسانی زندگی جن افکار و احساسات سے عبارت ہے اور وہ جن گوشوں میں پھیلی ہوئی ہے ان سب کے بارے میں جماعت اسلامی نے قرآن و سنت کی تعلیمات کو موجودہ دور کے علمی تقاضے سامنے رکھ کر پیش کر دیا ہے تاکہ اس زمانے کا انسان اس زمانے کے حالات میں اسلام کی صحیح پیروی کر سکے۔ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، اسلامی عبادات پر ایک نظر، رسالہ دینیات، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، خطبات، تنقیحات، تفہیمات، اسلام اور جدید معاشی نظریات، اسلامی ریاست، الجہاد فی الاسلام۔ یہ ساری کتابیں اسلامی عقائد و اعمال کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت اسلامی کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ان کتابوں سے نہ صرف قلب و دماغ کی تطہیر میں مدد دی ہے بلکہ ان کے اندر ایمان کی شمع بھی فروزاں کی ہے خصوصاً مسلمانوں کی موجودہ نسل جسے مغربی افکار کا طوفان بڑی سرعت کے ساتھ بہا کر لیے جا رہا ہے اسے اپنے بچاؤ کے لیے اس لٹریچر سے ہی کافی حد تک سہارا ملا ہے۔

یہ جماعت اسلامی کے کام اور اس کے وسیع پروگرام کا ایک حصہ ہے۔ اس کا دوسرا حصہ مسلمانوں کو عملاً اللہ کی بندگی پر آمادہ کرنا اور طاغوت سے ان کا رشتہ منقطع کر کے اسے خدائے واحد لاشریک کے ساتھ جوڑنا ہے، کیونکہ جب تک غیر اللہ کی غلامی سے کسی انسان کو نجات نہیں ملتی اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں خدائے واحد کی غلامی اختیار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں داخل ہوتے ہوئے جس عظیم حقیقت کا کسی انسان سے اعتراف کرایا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ انسان سب سے پہلے اس امر کا احساس کرے کہ سچے خدا کے ساتھ دنیا نے کچھ معبودانِ باطل بھی گھڑ رکھے ہیں جن کی عقیدت و محبت اور بندگی و اطاعت میں لوگ گرفتار ہوتے رہے ہیں اور مسلمان ہونے کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان ان جھوٹے خداؤں کی نفی کر کے صرف ایک معبودِ حقیقی کو اپنا رب تسلیم کرے۔ اس بنا پر خدا کی محبت کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنے قلب و دماغ کے سارے گوشوں میں سے غیر اللہ کی محبت مٹا دے۔ یہی چیز طاغوت سے قطع تعلق ہے جس کے متعلق قرآن پاک میں صاف صاف فرمایا گیا ہے کہ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا (البقرہ - ۲۵۶) "جو طاغوت سے کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایک مضبوط سہارا تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں" اس سے معلوم ہوا کہ طاغوت سے کفر اور اللہ پر ایمان لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خدا اور طاغوت دونوں سے آدمی کا رشتہ جڑا رہے اور پھر بھی وہ مسلمان ہو۔

طاغوت صرف انسان کے دل و دماغ پر ہی مسلط ہو کر نہیں بیٹھا رہتا بلکہ وہ زندگی کے سارے میدانوں پر قبضہ کر کے ہر جگہ غیر اللہ کی حکومت قائم کرتا ہے اور برابر اس امر کے لیے کوشاں رہتا ہے کہ اسلامی اقتدار کا پوری طرح قلع قمع ہو۔ وہ دین کے ایک ایک نقش کو مٹاتا اور اس کے معمولی سے معمولی اثرات کو پوری قوت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زائل کرتا ہے۔ اور ان میدانوں میں بھی وہ خاص طور پر بڑی ذہانت کے ساتھ قوت و طاقت کے اصل مراکز کو براہِ راست اپنی تحویل میں لیتا ہے تاکہ انسانی زندگی پر اس کا تسلّط پوری طرح قائم ہو اور قائم رہے۔

ظاہر بات ہے کہ اسلام کو حیاتِ انسانی کے سارے گوشوں پر حاوی کرنے کے لیے جب بھی جدوجہد کی جائے گی تو سب سے پہلے اس امر کی کوشش کرنی ہوگی کہ قوت کے اصل مراکز کو طاغوت کے قبضے سے نکال لیا جائے کیونکہ اگر یہ مراکز اس کے ہاتھ سے نکل جائیں تو پھر اس کا تسلّط زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتا۔ جماعت اسلامی کی سیاسی سرگرمیاں، جن کی وجہ سے اُسے ہوسِ اقتدار اور دنیا پرستی اور دین سے انحراف اور محض ایک سیاسی جماعت بن کر رہ جانے کے طعنے دیئے جاتے ہیں دراصل اجتماعی اقتدار کے مراکز کو طاغوت کی گرفت سے نکالنے ہی کی کوششیں ہیں۔ اسلام اگر دین نہ ہوتا بلکہ محض گیان دھیان یا چند مذہبی رسوم کا مجموعہ یا روحانی کیف و مستی کے حصول کا ذریعہ ہوتا تو پھر واقعی اجتماعی معاملات میں کسی مسلمان کی دخل اندازی یا سیاسی سرگرمیوں میں شرکت گناہِ عظیم ہوتی، کیونکہ دنیاداری کے یہ سارے دھندے مراقبے اور مکاشفے کی راہ میں حائل ہونے والے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو کس طرح نظر انداز کر دیا جائے کہ خدا نے انسان سے بندگی کا مطالبہ کیا ہے اور بندگی کے لیے یہ شرط ضروری قرار دی ہے کہ اس کی غلامی میں آنے سے پہلے طاغوت کی غلامی سے اپنے آپ کو یکسر آزاد کر لیا جائے۔ لہٰذا ایک شخص کے صحیح معنوں میں مومن و مسلم بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی زندگی کے جن حصّوں پر بھی طاغوت کا قبضہ ہے ان حصّوں کو اس کی گرفت سے نکالا جائے اور پھر انہیں اسلام کے تابع بنایا جائے تاکہ پوری زندگی بندگیٔ رب کی مظہر ہو۔

جماعت اسلامی بلاشبہ سیاسی سرگرمیوں میں شریک ہوتی ہے، مگر اس کے پیشِ نظر اقتدار کے ہاتھوں کی تبدیلی یا اپنے کارکنوں کے لیے کوئی دنیاوی مراعات یا اونچے مناصب کا حصول نہیں ہے۔ اُس کی شرکت کا محرک صرف دینی مقصد ہے۔ وہ ان سیاسی کاموں میں اُسی احساسِ ذمّہ داری کے ساتھ حصّہ لیتی ہے جس کے ساتھ نماز اور دوسرے دینی فرائض سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ اسے یہ بات کسی صورت بھی گوارا نہیں کہ عقیدے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور زبانی اقرار اور چند مخصوص مذہبی اعمال کی حد تک تو ہم مسلمان ہوں مگر ہماری تعلیم، تہذیب، تمدن، سیاست، معیشت، قانون، نظم و نسق، اور وسائلِ نشر و اشاعت پر شیطان کی حکمرانی قائم رہے۔ جب انسان یہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ خدائے واحد کی مخلوق ہے اور اس بنا پر اسی کا تابع ہے تو اس حقیقت کا شعور و احساس رکھتے ہوئے وہ کبھی یہ بات گوارا نہیں کر سکتا کہ قوت و طاقت کے سارے سرچشموں اور اثر و اقتدار کے تمام مراکز کو وہ شیطان کے ہاتھ میں دے دے تاکہ وہ زندگی کے ایک ایک گوشے کو مجرمانہ ذہنیت کے ساتھ کفر و الحاد سے سیراب کرتا رہے۔ اگر مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ قوت و طاقت کے ان سرچشموں کو خدا فراموش لوگوں کے تصرف سے نکال کر اُن لوگوں کے تصرف میں دینے کی کوشش نہ کریں جو انہیں اسلام کی سربلندی کے لیے استعمال کرنے کا مقدس عزم رکھتے ہوں۔ یہ کوشش دنیاداری نہیں بلکہ عین دینداری ہے۔ بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کوشش میں تساہل دینداری نہیں ہے۔

غور کیجیے، آخر جس کام کو یہ لوگ سیاسی کام کہتے ہیں وہ کس اعتبار سے شجرِ ممنوعہ ہے۔ سیاست دراصل اجتماعی زندگی کی وہ قوتِ قاہرہ ہے جو حیاتِ انسانی کے سارے شعبوں کو جس نہج پر چاہتی ہے ڈھال لیتی ہے۔ کسی قوم کی سیاسی ہیئت یوں تو شروع ہی سے اجتماعی زندگی کی تشکیل میں غیر معمولی اہمیت کی حامل رہی ہے لیکن دورِ جدید میں اس کی قوت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور اس کا دائرۂ کار غیر معمولی طور پر وسیع ہو گیا ہے۔ صنعتی انقلاب سے پہلے سیاست کا میدان قدرے محدود تھا۔ لیکن اس انقلاب کے بعد جب اجتماعی زندگی کے گوشے دور دراز تک پھیل گئے تو اس اجتماعی ہیئت میں بھی ہمہ گیر طاقت و وسعت پیدا ہو گئی جو ان گوشوں کے درمیان نظم و ضبط پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اس بنا پر ریاست اور مملکت کی طاقت اور اس کے دائرۂ کار میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور سیاسی معاملات کی اثر آفرینی بھی ناقابلِ بیان حد تک بڑھ گئی ہے جو فرد یا جماعت اجتماعی قوت و طاقت کے اس مرکز کو نظر انداز کرتی ہے وہ زندگی میں اپنی مرضی کا کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکتی بلکہ اپنی مرضی کے خلاف انقلاب کے برپا ہونے کو روک بھی نہیں سکتی۔

© rasailojaraid.com

آپ زندگی کے مختلف شعبوں پر نظر دوڑائیں اور دیکھیں کہ آخر یہ کس قوت کے مختلف مظاہر ہیں۔ ملک کا نظامِ تعلیم خدا کے پرستار اور اسلام کے علمبردار پیدا کرنے کے بجائے خدا کے باغی پیدا کر رہا ہے۔ ملک کا نظامِ معیشت مخلوقِ خدا کو راحت اور آرام پہنچانے کے بجائے اس کی زندگی کو عذاب بنا رہا ہے اور جو حرام خور نہیں بننا چاہتے ان تک کو حرام خوری پر مجبور کر رہا ہے۔ ملک کا نظامِ معاشرت انسانوں کے مابین محبت اور تعاون کی فضا قائم کرنے کے بجائے نفاق اور دشمنی کے بیج بو رہا ہے۔ ملک کی انتظامیہ پر ایسے لوگوں کا تسلط ہے جو اس قوم کو کوئی دشمن قوم خیال کرتے ہوئے بڑی سنگدلی کے ساتھ اس پر حکومت کر رہے ہیں۔ ملک میں زبردستی وہ ثقافت لائی جا رہی ہے جو روز بروز بے حیائی اور فسق و فجور کو ترقی دیتی چلی جا رہی ہے۔ اس ساری صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہماری زندگی کے کسی گوشے میں بھی اسلام کا عمل دخل نہیں رہا ہے بلکہ اس پر غیر اسلامی قوتیں قابض ہیں۔ یہاں قدرتی طور پر انسان کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ جس ملک کی عظیم اکثریت اسلام سے وابستہ ہے اور وہ اسلام کو ایک حکمران قوت دیکھنے کی بھی آرزومند ہے اس کے ہاں غیر اسلامی افکار و اعمال اور غیر اسلامی نظامِ حیات پرورش پا رہا ہے؟ اس کا سبب ایک ہی ہے کہ وہ مرکزی قوت جو اجتماعی زندگی کے ان شعبوں کی تشکیل کی ذمہ دار ہے اس پر غیر اسلامی قوتوں کا قبضہ ہے۔ قوت کے اس مرکز کو خدا ترس ہاتھوں میں منتقل کرنے کی کوشش کو آخر کس طرح دنیا پرستی کہا جا سکتا ہے؟ اور کیا خدا پرستی کے معنی یہی ہیں کہ دنیا پر خدا سے بغاوت چھاتی چلی جائے اور آپ بس اللہ اللہ کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں؟

پاکستان کی نہیں بلکہ پورے دنیائے اسلام بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ پوری انسانیت کا اصل مسئلہ یہی ہے کہ ایک مختصر سی خدا ناشناس اقلیت نے اس مرکزی قوت پر بالکل ناجائز تسلط قائم کر رکھا ہے جو اجتماعی زندگی کی صورت گری کرتی ہے۔ آپ اخلاقی انحطاط کے اس زمانے میں بھی انسانوں کے دلی جذبات کا جائزہ لیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانوں کی عظیم اکثریت روحانی سکون، قلبی اطمینان، معاشرتی عدل و انصاف اور آزادی کی دل و جان سے متمنی ہے۔ مگر اس آرزو کے باوجود اسے ان میں

© rasailojaraid.com